6

حضرت محمد صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہؓ خدا تعالیٰ کے قرب کے جس مقام پر پہنچے اُس مقام پر آج بھی ہم پہنچ سکتے ہیں

(فرمودہ 11 فروری 1944ء بمقام لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مغرب کی نماز کے بعد جبکہ مَیں باہر بیٹھتا ہوں دوست مجھ سے مختلف سوالات دریافت کیا کرتے ہیں۔ آج رات جو سوالات کیے گئے اُن میں سے ایک سوال ایسا اہم ہے جس کے متعلق میں پھر زیادہ تشریح اور وضاحت کے ساتھ کچھ بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ وہ سوال ہماری تمام جماعت بلکہ تمام مسلمانوں کی عملی زندگی کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔

وہ سوال یہ تھا کہ کیا ہم اب بھی صحابہؓ میں شامل ہوسکتے ہیں؟ مَیں نے اختصار کے ساتھ اس کا جواب دیا تھا کہ صحابی ہونا اپنی ذات میں صرف اس بات پر منحصر ہے کہ کوئی انسان ایسی صورت اختیار کر لے جو اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہم مجلس اور ہم شریک بنا دے۔ ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ملنے والوں میں سے ابوجہل بھی تھا، عتبہ اور شیبہ بھی آپ کی مجلس میں بیٹھنے والوں میں سے ہی تھے۔ اور ظاہر میں ایمان کا دعوٰی کرنے والوں میں سے عبداللہ بن اُبَی ابن سلول بھی تھا مگر ہم ان کو صحابی نہیں کہتے۔

حالانکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلسوں میں بیٹھتے اور آپ سے ہمیشہ باتیں کیا کرتے تھے۔ کچھ لوگوں کو تو ہم اس لیے صحابی نہیں کہتے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعوٰی کے منکر تھے حالانکہ جہاں تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم کا تعلق ہے وہ لوگ آپ کے قرب میں بیٹھنے والے تھے۔ اور کچھ لوگوں کو ہم اس لیے صحابی نہیں کہتے کہ گو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعوٰی کو منہ سے تسلیم کرتے تھے مگر عملاً آپ سے عقیدت نہ رکھتے اور آپ کے ارشادات کے مطابق عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ پس باوجود اس کے کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسمانی قرب حاصل ہوا، ہم اُن کو صحابی نہیں کہتے۔ ہم یوں نہیں کہتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک صحابی تھا ابوجہل۔ مگر وہ آپ کا مخالف ہو گیا اور اس نے بڑی شدید دشمنی کی۔ ہم یہ کبھی نہیں کہتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک صحابی تھا عبداللہ بن ابی ابن سلول۔ وہ منہ سے تو کہتا تھا کہ مَیں اسلام کا شیدائی ہوں لیکن دل سے اسلام کا شدید ترین دشمن تھا حالانکہ جو صحابی کے معنے ہیں یعنی پاس بیٹھنے والا اور صحبت سے حصہ پانے والا، وہ اس میں پائے جاتے تھے۔ تو مَیں نے بتایا یہ تھا کہ درحقیقت صحابیت اس محبت اور اخلاص کے تعلق پر مبنی ہے جو انسان کسی رسول کے ساتھ رکھتا ہے اور اسی وجہ سے جن لوگوں نے اس قِسم کا اخلاص اپنے اندر پیدا کر لیا وہ باوجود اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے بہت بعد پیدا ہوئے، انہوں نے وہی مقام حاصل کر لیا جو صحابہؓ کو حاصل تھا۔ چنانچہ مَیں نے اس کی مثال بھی دی تھی کہ حضرت محی الدین صاحب ابن عربی فرماتے ہیں کہ مَیں نے ساری بخاری سبقاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پڑھی ہے۔ اسی طرح اور بہت سے لوگ امتِ محمدیہ میں ایسے گزرے ہیں جنہیں رؤیا یا کشف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپؐ سے باتیں کرنے کا ان کو موقع ملا اور جاگنے کی حالت میں بھی ان کے دلوں میں اخلاص اور تقوٰی پایا جاتا تھا۔ ایسے لوگ یقیناً صحابی تھے۔ یہی حالت اگر آج بھی ہم میں پیدا ہو جائے، یہی مرتبہ اگر آج بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو میسر آجائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم آج بھی صحابہؓ کا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ پر بخل کا

الزام نہیں لگاتے۔ ہمارا خدا بخیل اور مُمسک نہیں کہ ہم یہ خیال کر لیں کہ اس نے اپنی نعمتوں سے پہلوں کو تو حصہ دیا مگر ہمارے لیے ان نعمتوں کے حصول کا دروازہ اس نے بند کر دیا ہے۔ یہ جواب تھا جو مَیں نے اس سوال کا دیا۔ آج مَیں کسی قدر زیادہ وضاحت سے اس امر کو خطبہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں اور جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ درحقیقت کسی انعام کے متعلق انسان کے دل میں خواہش کا پیدا ہونا یہ بھی بعض دفعہ بناوٹی ہوتا ہے اور کسی انعام کے حصول سے مایوس ہو جانا یہ بھی انسان کے لیے بڑی تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ۔1 اے لوگو! جس نے اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہماری قوم ہلاک ہو گئی، ہماری قوم برباد ہو گئی فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ وہی شخص ہے جس نے اس قوم کو تباہ و برباد کیا۔ اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قومی ہلاکت کی وجہ بتائی ہے اور فرمایا ہے کہ اس ہلاکت اور بربادی کی ذمہ داری اس آدمی پر ہے جو کہتا ہے کہ قوم ہلاک ہو گئی۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ دھوکا کھایا ہے کہ کسی شخص کے یہ کہنے سے کہ قوم ہلاک ہو گئی، ساری کی ساری قوم کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے اور چونکہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی اس لیے وہ کہتے ہیں اس حدیث میں اَهْلَكَهُمْ کا لفظ نہیں بلکہ اَهْلَكُهُمْ کا لفظ ہے۔ یعنی وہ شخص سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔ حالانکہ واقع یہ ہے کہ انہوں نے قومی نفسیات کو سمجھا ہی نہیں۔ یہ کہہ دینا کہ جو شخص کہتا ہے قوم ہلاک ہو گئی وہ سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔ اول تو بعض حالتوں میں یہ درست ہی نہیں اور پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ ان الفاظ کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا بن جاتا ہے۔ درحقیقت ان لوگوں نے اس نکتہ کو نہیں سمجھا کہ جب کسی قوم میں مایوسی پیدا کر دی جائے تو وہ بڑے بڑے کام کرنے سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی ہے۔ کبھی کسی قوم کا دانا اور سمجھ دار لیڈر ایسا نہیں ہو سکتا جو اس کو مایوس کر دے اور آئندہ ترقیات کے متعلق اس کے دل میں ناامیدی پیدا کر دے۔ جب کوئی قوم یہ سمجھ لے کہ وہ ترقی کے انتہائی درجہ پر پہنچ گئی ہے یا جب کوئی قوم یہ سمجھ لے کہ وہ تنزل کے انتہائی درجہ پر پہنچ گئی ہے تو وہ تباہ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو مسلمانوں میں جب یہ خیال پیدا ہؤا کہ قرآن کریم کی تفاسیر جو لوگ

پہلے لکھ چکے ہیں ان سے زیادہ اب کچھ نہیں لکھا جا سکتا، اب قرآن کی کوئی نئی تفسیر نہیں کی جاسکتی، معرفت کی کوئی نئی بات اس کی آیات سے نکالی نہیں جاسکتی تو مسلمانوں میں اُسی وقت تنزّل پیدا ہونا شروع ہو گیا اور ان کی معرفت جاتی رہی، ان کا علم سلب ہو گیا اور ان کی عقل کمزور ہو گئی اور ان کا فہم جاتا رہا اور وہ ان آسمانی علوم سے اس قدر محروم ہو گئے کہ اس زمانہ میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کے نئے معارف بیان کرنے شروع کر دیے اور ہمارے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے عجیب و غریب اسرار کھولے تو مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ تفسیر بالرائے ہے۔ گویا انہیں معرفت کی باتوں سے اتنی دُوری ہو گئی کہ اسلام کی باتیں انہیں کفر کی باتیں دکھائی دینے لگیں اور قرآن کی باتیں انہیں بے دینی کی باتیں نظر آنے لگیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جب قوم سے کہہ دیا گیا کہ آئندہ لوگوں کو کوئی ذہنی ارتقاء حاصل نہیں ہو سکتا، آئندہ کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہو سکتا جو قرآن کریم کو پہلوں سے زیادہ سمجھ سکے۔ آئندہ کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہو سکتا جو حدیثوں کو پہلوں سے زیادہ سمجھ سکے۔ تو دوسرے الفاظ میں انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہماری قوم ہلاک ہو گئی۔ اب اس میں کوئی زندہ وجود باقی نہیں رہا اور جب انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہماری قوم میں کوئی زندہ وجود باقی نہیں رہا، ہماری قوم میں کوئی ایسا شخص نہیں رہا جو یہ کہہ سکے کہ مَیں نے قرآن سے فلاں نئی بات نکالی ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے قرآن پر تدبر کرنا ترک کر دیا۔ انہوں نے حدیثوں پر غور کرنا چھوڑ دیا۔ انہوں نے کہا جب ہمیں کوئی نئی بات نہ قرآن سے حاصل ہو سکتی ہے نہ حدیث سے مل سکتی ہے تو ہمیں قرآن اور حدیث پر غور کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پرانی تفسیریں ہی ہمارے لیے کافی ہیں۔ یہ ایک لازمی نتیجہ تھا اس خیال کا کہ قرآن سے اب کوئی نیا نکتہ نہیں نکل سکتا۔ بلکہ رازی اور ابن حیان اور دوسرے مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے، وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس تباہ کن خیال کے زیرِ اثر قرآن کریم کے پڑھنے اور اسے سمجھنے کو ترک کر دیا اور اپنا تمام تر انحصار تفسیروں پر رکھ لیا۔ پھر یہ عذاب اتنا بڑھا، اتنا بڑھا کہ آج سے پچیس تیس سال پہلے بڑے بڑے مولوی ایسے تھے جو قرآن کریم کا صحیح ترجمہ تک نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے ہمارے لیے قرآن کریم کا

ترجمہ جاننا ضروری نہیں۔ اتنا ہی کافی ہے کہ اگر موقع ملے تو کوئی پرانی تفسیر دیکھ لی جائے۔

یہ ہلاکت ہوئی محض اس بات سے کہ قوم کو مایوس کر دیا گیا۔ اسے کہہ دیا گیا کہ قرآن کریم کے معارف تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جب مسلمانوں کو کہہ دیا گیا کہ خدا بولتا نہیں، وہ کسی سے محبت نہیں کرتا، وہ کسی سے پیار نہیں کرتا، وہ کسی کی التجا اور دعا کا جواب نہیں دیتا تو لوگوں کے دلوں سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور اس سے ملنے کی خواہش بھی مٹنی شروع ہو گئی۔ آخر یہ خواہش کہ خدا مجھ سے ملے اور وہ میرے ساتھ باتیں کرے، وہ مجھے اپنا پیارا بنالے، وہ میرا ہو جائے اور میں اس کا ہو جاؤں۔ کوشش انسان تبھی کرے گا جب اسے یہ خیال ہو گا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اس کا یہ خیال ہو کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا تو وہ اس غرض کے لیے کوشش ہی کیوں کرے گا۔ جب مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ ہم خدا کے نہیں ہو سکتے اور خدا ہمارا نہیں ہو سکتا۔ جب قوم کے لیڈروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ هَلَكَ الْقَوْمُ ہماری قوم ہلاک ہو گئی، ہماری قوم میں وہ استعداد ہی نہیں رہی کہ جس سے کام لے کر وہ خدا سے محبت کر سکے، اس کے فضل کو اپنی طرف کھینچ سکے، اس کی وحی اور الہام کی مورد بن سکے تو نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس طرف سے اپنی توجہ ہی ہٹالی اور خدا تعالیٰ کے دروازہ کو بند سمجھ کر اسے کھٹکھٹانا ترک کر دیا۔ مگر کسی مکان کا دروازہ بند ہو، باہر کی طرف اس پر قفل لگا ہوا ہو تو کون بے وقوف ہے جو اس دروازہ پر بیٹھ کر مالک مکان کو آوازیں دینی شروع کرے گا۔ اگر کسی مکان کے دروازہ کے متعلق یہ اعلان کر دیا جائے کہ اسے قطعی طور پر بند کر دیا گیا ہے اور پھر اس دروازہ کو کوئی شخص کھٹکھٹانا شروع کر دے تو سب لوگ اسے احمق اور پاگل سمجھیں گے۔ کیونکہ وہ ایسا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو گا جو بند ہو چکا ہے، جس کے بند ہونے کا اعلان ہو چکا ہے اور جس کے کھلنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں اگر کسی عمارت کا دروازہ تو بند ہو لیکن کھڑکی کھلی ہو تو سب لوگ اس کھڑکی کی طرف جائیں گے دروازہ کی طرف نہیں جائیں گے۔ وہ کھڑکی کی طرف اس لیے جائیں گے کہ کھڑکی کھلی ہو گی اور دروازہ کی طرف اس لیے نہیں جائیں گے کہ دروازہ بند ہو گا۔ اسی طرح جب خدا تعالیٰ کی محبت کا دروازہ بند کر دیا گیا اور جب مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ اس دروازہ سے

تمہیں کوئی آواز نہیں آسکتی۔ خواہ تم کس قدر چلّاؤ، خواہ تم کس قدر آہ وزاری سے کام لو۔ تو نتیجہ یہ ہؤا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کا دروازہ چھوڑ دیا اور پیروں اور فقیروں کے پیچھے چل پڑے۔ کیونکہ گو وہ چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں۔ مگر یہ چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں انہیں کھلی نظر آئیں اور بڑا دروازہ انہوں نے مقفّل پایا۔ پس وہ خدا کے دروازہ کو چھوڑ کر پیروں اور فقیروں کے پیچھے چل پڑے۔ کیونکہ انہوں نے کہا، یہ ہیں تو کھڑکیاں مگر کھلی کھڑکیاں ہیں۔ پس آؤ! ہم ان کھڑکیوں سے اندر کی طرف جھانکیں۔ مگر جانتے ہو اس کا کیا اثر ہوا؟ یہی ہوا کہ خدا کی محبت اور خدا کا پیار مسلمانوں کے دلوں سے جاتا رہا، روحانیت کا ان میں فقدان ہو گیا، وہ اس کے قرب سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے اور خدا تعالیٰ کا تازہ بتازہ کلام سننے سے ان کے کان ہمیشہ کے لیے نا آشنا ہو گئے۔

اسی طرح اسلامی تمدن اور سیاست میں بھی خطرناک نقص پیدا ہو گیا۔ کیونکہ کہہ دیا گیا کہ صحابہؓ کے زمانہ میں تمدن نے جو شکل اختیار کی تھی اُس سے زیادہ اسلامی تمدن کو کوئی شکل نہیں دی جاسکتی۔ حالانکہ تمدن کی شکل ہر زمانہ کے لحاظ سے بدلتی چلی جاتی ہے۔ کسی زمانہ میں اس کی کوئی شکل موزوں ہوتی ہے اور کسی زمانہ میں اس کی کوئی شکل موزوں ہوتی ہے۔ سچا مذہب وہی ہوتا ہے جو اپنے اندر لچک رکھتا ہے اور اسی لیے وہ مذہب دنیا میں ایک لمبے عرصہ کے لیے آتے ہیں۔ ان کی تعلیم کے اندر ایک قسم کی لچک پائی جاتی ہے جو مختلف زمانوں اور مختلف حالات کے مطابق تغیر پذیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اسلامی تمدن نے جو شکل اختیار کی وہ اَور تھی۔ مگر اب اس تمدن نے جو شکل اختیار کرنی ہے وہ اَور ہے۔ بے شک اس تمدن کے اصول ایک ہی رہیں گے مگر اس کی شکل زمانہ کے حالات کے لحاظ سے بدلتی چلی جائے گی۔ اعتراض تب ہو جب اصول میں تبدیلی ہو۔ لیکن جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اصول ہمیشہ ایک ہی رہیں گے لیکن اس تمدن کی شکل اور طریقِ عمل میں ہمیں ضرور فرق کرنا پڑے گا اور موجودہ سوسائٹی کی طرز اور اس کے طریق کے مطابق ہمیں اس میں تبدیلی کرنی پڑے گی اور شکل میں یہ تبدیلی بالکل جائز ہو گی۔ مگر چونکہ کہہ دیا گیا کہ اسلامی تمدن انتہا تک پہنچ چکا ہے اور یہ کہ اس کے قانون میں کوئی لچک نہیں، اگر لوگ پرانے زمانہ

کے تمدن کی نقل کریں تو بے شک کریں لیکن اس کے خلاف کوئی اور شکل تجویز نہیں کر سکتے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے تمدن کے متعلق غور و فکر کرنا چھوڑ دیا اور وہ اس چھوٹے سے تالاب کی صورت میں بدل گیا جس کا پانی نہیں بہتا، جس میں بُو تو پیدا ہو جاتی ہے، جس میں تعفّن تو پیدا ہو جاتا ہے، جس میں سڑاند تو آنے لگتی ہے مگر خوشنمائی اور دلکشی باقی نہیں رہتی۔ اسلامی تمدن بھی مسلمانوں کی اس حماقت کے نتیجہ میں ایک متعفّن چیز بن گیا جس سے خود مسلمان بھی نفرت کرنے لگے۔

پس یہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ یہ در حقیقت آپ نے ایک بہت بڑا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا تھا۔ اگر قوم کے لیڈر، اگر قوم کے صلحاء، اگر قوم کے علماء، اگر قوم کے امراء اس ایک حدیث کو ہی یاد رکھتے، اگر وہ اپنی قوم کو مایوس نہ کرتے، اگر وہ اپنی قوم کو پژمُردہ اور کم ہمت نہ بناتے، اگر وہ ان کی امیدوں کو قائم رکھتے، اگر وہ ان کی امنگوں کو بڑھاتے، اگر وہ اپنی جہالت سے ان کو یہ نہ کہتے کہ تمہارے لیے اب ترقی کا کوئی موقع نہیں تو مسلمان روحانی میدان میں بھی آگے رہتے، اقتصادی میدان میں بھی آگے رہتے، علمی میدان میں بھی آگے رہتے اور سائنٹیفک میدان میں بھی آگے رہتے۔ مگر ہمارے ہاں تو یہاں تک مصیبت بڑھی کہ مذہب تو الگ رہا انہوں نے دنیوی علوم بھی پہلے لوگوں پر ختم کر دیے۔ بو علی سینا کے متعلق کہہ دیا کہ اس نے طب میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں لکھا جا سکتا، منطق کے متعلق کہہ دیا کہ اس بارہ میں فلاں منطقی جو کچھ کہہ گیا ہے اس کے بعد منطق کے علم میں کوئی زیادتی نہیں کی جا سکتی۔ گویا اول تو انہوں نے خاتم النبیّین کے غلط معنے کیے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیضان کو جو ایک دریا کی صورت میں بہہ رہا تھا محدود کر دیا اور دوسری طرف یہ غضب ڈھایا کہ کسی کو خاتمِ طب بنا دیا، کسی کو خاتمِ منطق بنا دیا، کسی کو خاتمِ فلسفہ بنا دیا اور اس طرح ایک ایک کر کے سارے علوم کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ ان کے متعلق پہلے لوگ جو کچھ لکھ چکے ہیں ان سے زیادہ اب کوئی شخص نہیں لکھ سکتا۔ دماغی ترقی رک گئی ہے، ذہنی ارتقا جاتا رہا ہے، علم و فہم کا مادہ سلب ہو چکا ہے اور علوم کے دروازے سب بند ہو چکے ہیں۔ گویا

انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ھَلَکَ الْقَوْمُ کہ جو پہلوں کو مل گیا وہ اب دوسروں کو نہیں مل سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔ نہ مسلمانوں میں خدا پرست رہے، نہ مسلمانوں میں فقیہہ رہے، نہ مسلمانوں میں قاضی رہے، نہ مسلمانوں میں عارف رہے، نہ مسلمانوں میں محدث رہے کیونکہ جو چیز بھی تھی اسے گزشتہ لوگوں پر ختم کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ آئندہ لوگوں کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ فطرت ان کی اس قدر بڑھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں بھی انہوں نے اسی حربہ سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک فقرہ لکھا ہے۔ وہ بظاہر ایک سادہ فقرہ ہے مگر انتہائی طور پر دلوں کی گہرائیوں پر اثر کرنے والا اور قلوب کو تڑپا دینے والا ہے۔ آپ پر جب لوگوں نے اعتراض کیا کہ پہلے مسیح سے آپ کس طرح بڑھ سکتے ہیں، تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا جواب دیتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرمایا کہ یہ لوگ تو اس طرح باتیں کر رہے ہیں گویا ان کے نزدیک جو کچھ ہے پہلا مسیح ہی ہے، دوسرا مسیح کچھ چیز نہیں۔ یہ بظاہر ایک سادہ سا فقرہ ہے۔ مگر کس طرح اس گری ہوئی ذہنیت کی دھجیاں اڑا رہا ہے جو مسلمانوں میں پیدا ہو چکی تھی کہ تم کہتے یہ ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور اپنے ساتھ تمام ترقیات کے سامان لائے، تم کہتے یہ ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور اپنے ساتھ تمام برکات لائے، تم کہتے یہ ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور اپنے ساتھ تمام انوار لائے۔ مگر دوسری طرف تم اسی منہ سے یہ بھی کہہ رہے ہو کہ اب تمام برکتیں ختم ہو چکیں، تمام فیضان بند ہو چکے، اب کوئی شخص وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو پہلے لوگوں کو مِلا۔ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو مِلا گویا اسلام کا چشمہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خشک ہو گیا ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ختم ہو گیا ہے، قرآن کا زندگی بخش اثر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جاتا رہا ہے۔ اب خواہ لاکھ کوششیں کرو تمہیں وہ برکات کبھی نہیں مل سکتیں جو پہلے لوگوں کو ملیں۔ یہ تو ایسی گندی تعلیم ہے، یہ تو ایسی قوم کو تباہ و برباد کرنے والی تعلیم ہے کہ کوئی انسان جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھتا ہو، کوئی انسان جس کے دل میں خدا تعالیٰ کا سچا ادب پایا جاتا ہو ایک منٹ بلکہ ایک سیکنڈ کے

لیے بھی ایسی تعلیم قبول نہیں کر سکتا۔ یہ تو ایسی گندی اور متعفّن اور بدبودار تعلیم ہے کہ اس قابل ہے کہ اسے اٹھا کر میلے کے ڈھیروں پر پھینک دیا جائے، بجائے اس کے کہ لوگوں کے دلوں اور ان کے دماغوں میں اسے جگہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے بھیجا تھا کہ آپ اعلیٰ سے اعلیٰ کمالات کے دروازے لوگوں کے لیے کھول دیں جو آپ کے زمانہ کے لیے ہی مخصوص نہ ہوں بلکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے کھلے رہیں۔ اگر یہ تعلیم صرف صحابہ کے لیے ہی تھی، اگر یہ تعلیم باقی ساری دنیا کو خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی محبت سے ہمیشہ کے لیے محروم کرنے والی تھی تو یہ گندی دنیا جو خدا تعالیٰ کے قرب سے محروم ہو چکی تھی، یہ گندی دنیا جو خدا تعالیٰ کے الہام سے محروم ہو چکی تھی، یہ گندی دنیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سمجھنے سے محروم ہو چکی تھی، یہ گندی دنیا جو اخلاق میں ترقی کرنے سے محروم ہو چکی تھی یہ تو اس قابل تھی کہ اس کو تباہ کر دیا جاتا، اس کو برباد کر دیا جاتا، اس پر عذاب نازل کر کے اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا۔ نوح کی قوم پر وہ تباہی نہیں آئی جو اس دنیا پر آنی چاہیے تھی، لوط کی قوم پر وہ عذاب نازل نہیں ہوا جو اس دنیا پر نازل ہونا چاہیے تھا۔ بشرطیکہ وہ سب کچھ درست ہوتا جو اِس زمانہ کے نادان مولوی کہہ رہے ہیں۔ مگر یہ جھوٹ اور افترا ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے ہم نے تجھے مبعوث کیا ہے۔ کسی ایک قوم کی طرف نہیں، کسی ایک ملک کی طرف نہیں بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کی طرف ہم نے تجھے مبعوث کر کے بھیجا ہے۔2 اسی طرح آپ حاضر اور غائب سب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں مَیں اللہ کا رسول ہوں جو تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوئے اور خدا نے آپ کو وہ تعلیم دی ہے جو سب کو سمیٹنے والی اور ان کو ایک نقطہ مرکزی پر جمع کرنے والی ہے تو کیسا نادان اور احمق ہے وہ انسان جو کہتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام برکات پہلے لوگوں پر ہی ختم ہو چکیں، اب کوئی انسان وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو پہلے لوگوں نے حاصل کیا۔ یہ تو ایسے گندے اور ناپاک خیالات ہیں کہ قرآن اور اسلام ان کو ایک منٹ کے لیے بھی برداشت نہیں

کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے زمانوں کے لیے ہیں اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سارے زمانوں کے لیے ہیں تو برکات کا دروازہ اگلے لوگوں کے لیے بھی کُھلا ہونا چاہیے۔ تاکہ جس طرح پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب میں بڑھے اور انہوں نے اپنی اپنی قربانیوں کے مطابق خدا تعالیٰ کی رضا کا مقام حاصل کیا اُسی طرح آئندہ آنے والوں میں سے جو لوگ زیادہ قربانی کریں وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل کر لیں۔ اور جو لوگ کم قربانی کریں وہ اپنے معیار کے مطابق کم درجہ حاصل کریں۔ یہی چیز ہے جو دلوں میں یقین اور ایمان پیدا کرتی ہے اور یہی چیز ہے جو عمل کا ولولہ قلوب میں موجزن کرتی ہے۔ اس یقین کے بعد جب ہم خدا تعالیٰ کے قرب میں بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، جب ہم اس کی صفات پر غور کرتے ہیں، جب ہم اس کے افضال کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں، جب ہم اس کی محبت کے سچے دل سے طالب بن جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ ہم اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا پہنچتے ہیں جس طرح ہم اپنی محبت سے خدا کے قریب پہنچ جاتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں ہم خدا نما بھی ہو سکتے ہیں اور ہم محمد نما بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم نہ خدا نما ہو سکتے ہیں، نہ محمد نما بن سکتے ہیں تو ہم نے اس غرض کے لیے کوشش ہی کیوں کرنی ہے۔ پھر تو ہمیں نہ نماز کی ضرورت ہے، نہ روزہ کی ضرورت ہے، نہ حج کی ضرورت ہے، نہ زکوٰۃ کی ضرورت ہے، نہ کسی اور حکم پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ جب دروازہ بند ہو چکا، جب خدا تعالیٰ کے قرب کا راستہ مسدود ہو چکا تو کون احمق ہے جو اس بند دروازہ کے سامنے بیٹھے گا اور اس مسدود راستہ پر چلنے کی کوشش کرے گا۔ یقیناً کوئی نہیں جو اس علم کے بعد سچی کوشش کر سکے اور اس علم کے بعد صحیح جدوجہد کرے۔ لیکن خدا ہمیں کہہ رہا ہے کہ تم کوشش کرو۔ خدا ہمیں نمازوں کا بھی حکم دے رہا ہے، وہ ہمیں روزوں کا بھی حکم دے رہا ہے، وہ ہمیں زکوٰۃ کا بھی حکم دے رہا ہے، وہ ہمیں حج کا بھی حکم دے رہا ہے اور اس طرح بتا رہا ہے کہ تمہیں ان عبادات کے نتیجہ میں وہ سب کچھ مل سکتا ہے جو پہلے لوگوں کو ملا۔ مگر مسلمان ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ان نمازوں اور ان روزوں کے بعد تمہیں وہ مقام کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جو پہلے لوگوں نے حاصل کیا۔ گویا خدا ہمیں ہدایت تو یہ دیتا ہے کہ تم نمازیں پڑھو اور ابو بکرؓ جیسی پڑھو۔ مگر کہتا یہ ہے کہ میں بناؤں گا

تمہیں ابوہریرہؓ جیسا بھی نہیں۔ خدا ہمیں ہدایت تو یہ دیتا ہے کہ تم روزے رکھو اور ابوبکرؓ جیسے رکھو بلکہ ابوبکرؓ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسے رکھو کیونکہ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[3] تمہارے لیے ہمارا رسول نمونہ ہے۔ مگر دیکھنا مَیں تمہیں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کا مقام بھی نہیں دوں گا۔ تم زکوٰتیں دو اور صحابہؓ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب صحابہؓ جیسی زکوٰتیں دو مگر یاد رکھنا تمہیں اُس زمانہ کے ایک ادنیٰ مسلمان جیسا درجہ بھی ہمارے ہاں حاصل نہیں ہوگا۔ آخر کونسی عقل ہے جو اِس تضاد اور تخالف کو تسلیم کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی وہی دل دیا ہے جو اس نے صحابہؓ کو دیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی وہی دماغ دیا ہے جو اس نے صحابہؓ کو دیا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں بھی اپنے لقاء اور وصال کی وہی تڑپ رکھی ہے جو اس نے صحابہؓ کے دلوں میں رکھی۔ ہمارے قلوب میں بھی اُس نے یہ تمنا اور خواہش پیدا کر دی ہے کہ ہم عرش پر پنجہ ماریں اور خدا کی محبت بھری گود میں جا پہنچیں۔ مگر دوسری طرف لوگ یہ بتاتے ہیں کہ خدا نے آسمان پر فرشتے بٹھا رکھے ہیں کہ دیکھنا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی بھی جس مقام پر پہنچا ہو اس سے تم نے ان لوگوں کو نیچا ہی رکھنا ہے۔ اوپر اٹھا کر نہیں لے جانا۔ یہ خدا ہوُا یا نَعُوْذُ بِاللّٰہ ہوّا ہوا۔ یہ سب غلط اور تباہ کن خیالات ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہو چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ اللہ تعالیٰ کے قرب کے جس مقام پر پہنچے ہیں اُس مقام پر آج بھی ہم پہنچ سکتے ہیں۔ بلکہ اگر ہم کوشش کریں تو صحابہؓ سے بھی آگے بھی نکل سکتے ہیں۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ سے آگے نکل کر دکھا دیا یا نہیں؟ صحابہ تو کیا آپ گزشتہ انبیاء سے بھی افضل ہیں اور صحابہؓ تو یقیناً درجہ کے لحاظ سے آپ سے بہت نیچے ہیں۔ بلکہ آپ کا مقام تو وہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں ؎

صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا[4]

یعنی جو شخص میرے ہاتھ پر بیعت کرتا اور سچے دل سے میری جماعت میں شامل ہو جاتا ہے وہ ویسا ہے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ تھے۔ گویا آپ سے تعلق پیدا کر کے انسان آج بھی صحابہؓ جیسا بن سکتا ہے۔

پھر آپ کے بعد اب خدا نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مثیل قرار دیا ہے۔ پس جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے والے صحابہؓ سے جا ملے اسی طرح وہ لوگ جو آج یا آئندہ میرے نقشِ قدم پر چلیں گے، جو میری اتباع میں اسلام اور احمدیت کے لیے ویسی ہی قربانیاں کریں گے جیسے صحابہؓ نے کیں، چونکہ مَیں مسیح موعود کا مثیل ہوں اس لیے وہ مجھ پر ایمان لانے اور میرے نقشِ قدم پر چلنے کی وجہ سے مسیح موعودؑ کے صحابہ کے مثیل ہو جائیں گے اور وہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے مثیل ہیں اس لیے یہ بھی اس مماثلت کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں شامل ہو جائیں گے۔

وہ لفظ جو عام طور پر لوگوں کو دھوکا میں ڈالتا ہے اور جسے سن کر وہ سمجھتے ہیں کہ اب شاید یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا، صحابی کا لفظ ہے۔ صحابی کے معنے ہوتے ہیں صحبت یافتہ شخص۔ پس وہ کہتے ہیں جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا ہی نہیں اور جسے آپ کی صحبت نصیب ہی نہیں ہوئی وہ صحابی کس طرح کہلا سکتا ہے ۔چاہے اپنے دل میں وہ کتنا ہی اخلاص رکھتا ہو ہم اُسے صحابی نہیں کہیں گے کیونکہ اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے لیے یاد رکھو کہ دو باتیں ایسی ہیں جن سے اس وسوسہ کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ جہاں تک صحابیت کے درجے اور مقام کا تعلق ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے اس وجہ سے کہ ان کے دلوں میں پژمردگی پیدا نہ ہو اِخْوَان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد لوگ پیدا ہوں گے وہ میرے اِخْوَان ہوں گے۔ صحابہ نے کہا یارسول اللہ! کیا وہ اِخْوَان ہوں گے ہم اِخْوَان نہیں ہیں؟ حالانکہ دین کے لیے قربانیاں ہم کر رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم دین کے لیے قربانیاں کر رہے ہو مگر تم میرے صحابی ہو اور وہ لوگ میرے اِخْوَان ہوں گے۔[5] گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے اور جن پر صحابی کا لفظ ظاہراً اطلاق نہیں پا سکتا تھا اِخْوَان کا لفظ استعمال کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم تو میرے صحابہ ہو مگر وہ

میرے بھائی ہوں گے۔ اور بھائی اور صحابی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ صحابی وہی ہوتا ہے جسے صحبت میسر آئے۔ لیکن بھائی وہ بھی ہو سکتا ہے جس کی دوسرے بھائی نے شکل بھی نہ دیکھی ہو اور جو اس کی پیدائش سے پہلے فوت ہو چکا ہو یا اسکی موت کے بعد پیدا ہوا ہو۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ آئندہ پیدا ہونے والے میرے بھائی ہوں گے اِس امر کی طرف اشارہ فرما دیا کہ جہاں تک محبت اور پیار اور موانست کے تعلقات کا سوال ہے وہ لوگ کم نہیں ہوں گے۔ جیسے بھائی اپنے دوسرے بھائی سے محبت اور پیار کے تعلقات رکھتا ہے اسی طرح اُن کے اور میرے تعلقات ہوں گے۔ لیکن چونکہ وہ میری مجلس میں نہیں بیٹھے ہوں گے اس لیے انہیں صحابہ نہیں کہا جائے گا، اخوان کہا جائے گا۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں یہ خلش پیدا ہوتی ہے کہ کاش! ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے اور ہم صحابی کہلاتے انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے لیے اس خلش اور بے کلی کی کوئی وجہ نہیں۔ وہ بے شک صحابی نہ کہلا سکیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اِخْوَان کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ نام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود اُن کو دیا۔ پس وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں۔ اور یہ بھائی کا لفظ کوئی معمولی نہیں بلکہ یہ وہ لفظ ہے جسے سن کر صحابہؓ کو تکلیف ہوئی اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ ہو کیونکہ تم میرے زمانہ میں ہو اور تمہیں میری صحبت نصیب ہوئی ہے۔ بھائی وہ ہوں گے جو بعد میں آئیں گے اور جنہیں اِس جسمانی قرب کا موقع نہیں ملا ہوگا۔ پس صحابہ کا جو مقام ہے وہ یقیناً بعد میں آنے والوں کو حاصل ہو سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ لوگ صحابی کہلائے اور بعد میں آنے والوں کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھائی رکھا ہے۔ اور جب تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بن گئے تو تمہارے دلوں میں یہ خلش کس طرح رہ سکتی ہے کہ کاش ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ بننے کا موقع میسر آتا۔ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جسمانی طور پر نہیں ملے مگر تم وہ ہو جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی قرار دیا ہے اور دنیا میں بھائی کا ہی ایک رشتہ ہے جو

بغیر دوسرے بھائی سے ملنے کے بھی قائم ہو جاتا ہے لیکن صحابی کا رشتہ ملے بغیر قائم نہیں ہوتا۔

پھر ایک اور بات بھی مدّنظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دین دیا ہے وہ ایک زندہ دین ہے۔ اگر ہم اس دین اور مذہب پر چل کر خدا سے مل سکتے ہیں جو وراء الورٰی ہستی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیوں نہیں مل سکتے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ فوت ہو چکے ہیں اس لیے اب ہم اُن سے مل نہیں سکتے۔ حالانکہ ہم تو اس بات کے قائل ہی نہیں کہ جو شخص فوت ہو جاتا ہے وہ بالکل مٹ جاتا ہے۔ ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ موت کے بعد انسانی روح زندہ رہتی ہے اور اُسے اگلے جہان میں ایک اَور جسم دے دیا جاتا ہے۔ جب ہمارا یہ اعتقاد ہے تو کیا دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا ہے جو یہ خیال کرتا ہو کہ انسانی روح خدا تعالیٰ سے زیادہ لطیف ہے۔ بہر حال ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ انسانی روح خواہ اس کے جسم کے مقابلہ میں کتنی ہی لطیف ہو اللہ تعالیٰ سے زیادہ لطیف نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں نسبتاً کثیف اور مادہ کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ پھر جب ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ہم خدا سے مل سکتے ہیں، اس کا قرب حاصل کر سکتے ہیں، اس کے کلام سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، وہ ہماری دعائیں سنتا ہے، ہماری حاجات کو پورا کرتا ہے، ہماری ضروریات کا کفیل بنتا ہے تو یہ کیسا بیہودہ خیال ہے کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوت ہو چکے ہیں اس لیے اب ہمیں آپ کی صحبت میسر نہیں آسکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح تو الگ رہی ہم تو کافروں کی ارواح کے متعلق بھی اس بات کے قائل ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ پس جب ہر کافر کی روح زندہ ہے، ہر مومن کی روح زندہ ہے تو ہم کس طرح مان سکتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نَعُوْذُ بِاللّٰہِ فنا ہو چکی ہے اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح آج بھی زندہ ہے تو یقیناً آپ کا قرب بہت زیادہ ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت اور اس کی کُنہ کو پانا بہت مشکل ہوتا ہے اور انسان بہت بڑی جدوجہد، بہت بڑی قربانیوں اور بہت بڑی عبادتوں کے بعد اپنے درجہ کے مطابق اس چیز کو حاصل کرتا ہے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ انسانوں میں سے ہی ایک انسان ہیں اس لیے آپ کو سمجھنا اور آپ کی کُنہ کو پانا خدا تعالیٰ کی صفات کو سمجھنے اور اس کی کُنہ کو پانے سے

بہت زیادہ آسان ہے۔ پس اگر انسان سچا اخلاص اور سچی محبت رکھنے والا ہو تو اُسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کرنے اور آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھانے اور آپ سے باتیں کرنے کے اس دنیا میں بھی کئی مواقع نصیب ہوسکتے ہیں اور جب بھی اُسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوجائے گی یا آپ سے کوئی کلام سننے کی اسے سعادت حاصل ہوجائے گی وہ اُسی وقت آپ کا صحابی بن جائے گا۔ جیسے امت محمدیہ میں بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے کہا کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپؐ نے ہم سے باتیں کیں وہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بھی تھے مگر چونکہ محبت کے جوش کی وجہ سے وہ چاہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی ان کو نصیب ہوجائے اس لیے خدا نے ان کی خواہش کو پورا کردیا اور انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ملاقات میسر آگئی اور وہ علاوہ بھائی ہونے کے آپ کے صحابی بھی ہو گئے۔ یہ خواہش آج بھی پوری ہوسکتی ہے بلکہ آج اس خواہش کے پورا ہونے کے سامان بدرجۂ اتمّ موجود ہیں۔ اس لیے کہ پچھلے لوگوں کو خدا تعالیٰ کے قرب میں بڑھنے کا وہ موقع نہیں ملا جو آج لوگوں کو مل رہا ہے۔ آج خدا تعالیٰ کا زندہ کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ انسان ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں اس قدر بڑھے کہ آپ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک ہو گئے۔ آپ سے پہلے اسلام پر جو مُردنی چھائی ہوئی تھی اور جس طرح اسلام کا تجزیہ ان کے ہاتھوں ہو رہا تھا اُس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی وحدت مٹ چکی تھی ان کا اتحاد کسی ایک نقطۂ مرکزی پر نہیں رہا تھا بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی فرقہ کام کر رہا تھا تو ایران میں مسلمانوں کا کوئی اَور فرقہ اپنے رنگ میں اسلام کی خدمت سرانجام دے رہا تھا، عرب میں مسلمان کسی اور فرقہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر رہے تھے تو شام اور مصر کے مسلمان کسی اور فرقہ میں داخل تھے حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ہندوستان کے رسول نہیں تھے، صرف ایران کے رسول نہیں تھے، صرف عرب کے رسول نہیں تھے، صرف شام اور مصر کے رسول نہیں تھے بلکہ ساری دنیا کے رسول تھے۔ جس طرح ربّ العالمین کی حکومت

سب جہان پر ہے اُسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے دائرہ سے دنیا کا کوئی خطہ اور دنیا کا کوئی ملک باہر نہیں۔ ہر اسود و احمر کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ایک ہی دین لے کر آئے۔ لیکن مسلمان فیج اعوج کے زمانہ میں اِس طرح گروہ در گروہ ہو چکے تھے کہ وہ وحدت جو مسلمانوں کی امتیازی شان تھی، بالکل مٹ گئی تھی۔ تب خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے وہ مشابہتِ تامّہ عطا کر دی جو پہلے لوگوں کو حاصل نہیں تھی۔ پہلے انسان اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا چاہتا تھا تو کوئی چشتیوں میں سے ہو کر کرتا تھا، کوئی نقشبندیوں میں سے ہو کر کرتا تھا، کوئی سہروردیوں میں سے ہو کر کرتا تھا، کوئی قادریوں میں سے ہو کر کرتا تھا۔ اور یہ تو چند بڑے بڑے فرقوں کے نام ہیں ان کے علاوہ اور ہزاروں روحانی فرقے مسلمانوں میں پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ کے ذریعہ پھر ساری دنیا کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا ہے۔ پس آج جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے وہ براہ راست محمدی سلسلہ میں داخل ہو کر آپ سے محبت کرتا ہے۔ وہ قادری سلسلہ میں داخل ہو کر آپ سے محبت نہیں کرتا، وہ چشتی سلسلہ میں داخل ہو کر آپ سے محبت نہیں کرتا، وہ نقشبندی سلسلہ میں داخل ہو کر آپ سے محبت نہیں کرتا، وہ سہروردی فرقہ میں داخل ہو کر آپ سے محبت نہیں کرتا بلکہ محمدی سلسلہ میں داخل ہو کر آپ سے محبت کرتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی نوع انسان کو پہلے لوگوں سے بہت زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کر سکتے اور انہیں آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کے مواقع بہم پہنچا سکتے ہیں۔ پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لے جانے والے حضرت معین الدین صاحب چشتی یا حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی وغیرہ تھے۔ مگر آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لے جانے کے لیے مثیل محمد موجود ہے اور یہ صاف بات ہے کہ جہاں مثیلِ محمد پہنچ سکتا ہے وہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی جزوی نمونہ نہیں پہنچ سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ زمانہ عطا فرمایا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

کُلّی نمونہ ہم میں آیا۔ اور جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلی نمونہ ہمیں پہنچا سکتا ہے وہاں یقیناً کوئی اور انسان ہمیں نہیں پہنچا سکتا۔ پس آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرب حاصل کرنے، آپ کی صحبت میں بیٹھنے اور رؤیا و کشوف میں آپ کو دیکھنے کے پہلے سے بہت زیادہ مواقع میسر ہیں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ فیوض کو بند نہیں کر دیا۔ بلکہ جیسا کہ پیشگوئی کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے پھر اس زمانہ میں مجھے آکر بتادیا کہ اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِیْلُہٗ وَخَلِیْفَتُہٗ6 میں مسیح موعود کا مثیل اور اس کا خلیفہ اور جانشین ہوں۔ گویا وہی نام جو مسیح موعود کو دیا گیا تھا اب مجھے دے کر جماعت کو اور زیادہ بشارت دے دی گئی کہ ابھی تمہارے لیے خدا تعالیٰ کے قرب میں ترقی کرنے کے لیے ویسی ہی آسانیاں ہیں جیسی آسانیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تمہیں میسر تھیں۔ تم آج بھی اسی طرح خدا تعالیٰ کے قرب میں ترقی کر سکتے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرب حاصل کر سکتے ہو جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں تم حاصل کیا کرتے تھے۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کا ایک مثیل اور بروز تم میں موجود ہے۔ مگر یہ مقام انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی قربانیوں سے اس بات کو ثابت نہیں کر دیتا کہ وہ واقع میں اس مقام اور انعام کا مستحق ہے۔ محض اس بات پر خوش ہو جانا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے اور ہم آپ کے صحابی بن گئے یا مصلح موعود آیا اور ہم اس پر ایمان لاکر صحابہ مسیح موعود کے مثیل بن گئے تمہیں حقیقتاً اس مقامِ بلند کا مستحق نہیں بنا سکتا جب تک تم اپنی قربانیوں اور اپنی عبادتوں اور اپنی نیکیوں میں ویسی ہی ترقی نہ کرو جیسی پہلے لوگوں نے کی۔ ہاں! اگر تم ویسی ہی قربانیاں کرو، ویسی ہی عبادتیں بجالاؤ۔ ویسی ہی نیکیوں کے حصول کی جدوجہد کرو جس طرح کہ پہلے بزرگ کیا کرتے تھے تو پھر یقین رکھو کہ وہ منزل جو انہیں دس قدم چل کر ملی تمہیں چھ قدم چل کر مل جائے گی۔ مگر بہر حال تمہیں چلنا ضرور پڑے گا۔ پھر جس سہولت اور آسانی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ والوں کو صحابیت کا مقام حاصل ہو گیا اُسی کے قریب قریب سہولت اور آسانی کے ساتھ تمہیں بھی یہ مقام حاصل ہو جائے گا۔ مگر بہر حال یہ مقام تمہیں اُسی وقت ملے گا جب تم صحابہؓ

کے قریب قریب اپنی قربانیوں کو پہنچا دو گے۔ درمیانی زمانہ میں جب نورِ نبوت سے بہت بُعد پیدا ہو چکا تھا، مسلمانوں کو بہت بڑی مشکلات اور بہت بڑی کوششوں کے بعد یہ مقام حاصل ہوا اور وہ بھی انفرادی طور پر صرف چند مسلمانوں کو کیونکہ ان کے لیے کوئی ایسا سہارا نہ تھا جس پر ٹیک لگا کر وہ سہولت سے ان مدارجِ قرب کو طے کر سکتے۔ لیکن اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے کئی قسم کے سہارے بہم پہنچائے ہوئے ہیں اور تم ان سہاروں کے ذریعہ آسانی سے ان مقامات قرب کو حاصل کر سکتے ہو۔ مگر قربانیاں بہر حال ضروری ہوں گی۔ پس اس بات پر خوش مت ہو کہ تمہارے لیے صحابیت کا دروازہ آج بھی کھلا ہے۔ اس دروازے کا کھلنا تمہارے لیے عمل کا موجب ہونا چاہیے۔ سستی اور غفلت کا موجب نہیں ہونا چاہیے۔ پہلے لوگوں پر ناامیدی کی وجہ سے سُستی طاری ہوئی اور اب ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ محض اس امید کی وجہ سے کہ دروازہ تو کھلا ہے جب چاہیں گے داخل ہو جائیں گے سستی اور غفلت میں مبتلا ہو جائیں اور اس دروازے کا کھلنا ان کے لیے کسی خیر اور برکت کا موجب نہ ہو سکے۔ پس یہ مقام تو تمہیں مِل تو سکتا ہے مگر ملے گا قربانیوں کے بعد ہی۔ انہی قربانیوں کے بعد جو صحابہؓ نے کیں اور جن کا ذکر سن کر آج بھی انسانی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائے اور کچھ ایسے عشق اور محبت سے بھر گئے کہ اپنی تمام جائیدادیں انہوں نے چھوڑ دیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے مدینہ جا پہنچے اور آپؐ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ تم غور کرو! آج کتنے لوگ ہیں جو اس قسم کی قربانی کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اسلام کی فتح اور کامیابی کے لیے کئی قسم کی جنگوں کی ضرورت ہے اور کئی لڑائیاں ایسی ہیں جن کو آج بھی لڑا جائے تو اسلام کے لیے فتح کا ایک نیا باب کھل سکتا ہے۔ مگر چونکہ یقین نہیں ہوتا کہ اگر جماعت کو اس لڑائی کا حکم دیا گیا تو وہ پوری طرح اس کے لیے تیار بھی ہو گی یا نہیں، وہ اعلانِ جنگ کا جواب اپنے شاندار نمونہ سے دے گی یا سستی اور غفلت کا نمونہ دکھائے گی اس لیے ان جنگوں کو دوسرے وقت پر ملتوی کر دیا جاتا ہے تاکہ جماعت سے اُس وقت ان قربانیوں کا مطالبہ ہو جب اس کا قدم مضبوط ہو اور اس میں اضمحلال کے آثار نہ ہوں۔

اس طرح وقت گزرتا جارہاہے اور اسلام کی فتح کا دن ہم سے دور ہوتا جارہاہے۔ تم میں سے کوئی شخص کہہ سکتاہے کہ اسے ذاتی طور پر جماعت کے متعلق یہ تسلّی ہے کہ اسے جن قربانیوں کے لیے بھی کہا جائے، وہ ان کے لیے پوری طرح تیار ہوگی۔ مگر مجھے چونکہ پوری تسلّی نہیں کہ جماعت میں قربانی کا پورا مادہ پایا جاتا ہے اس لیے جتنا جتنا زمانہ دیکھا جاتا ہے اس کے مطابق جماعت کے سامنے اعلان کر دیا جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ زبردستی کسی قربانی کا اعلان کرادیتاہے اُس وقت وہ اس مطالبہ کو پورا کرنے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے، ہمیں فکر نہیں ہوتا کہ یہ مطالبہ کس طرح پورا ہوگا۔ بہرحال میں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں ابھی ایسی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور جماعت ایسے مقام پر نہیں پہنچی کہ اُسے جو بھی حکم دیا جائے اسے ماننے کے لیے وہ تیار ہوجائے۔ بعض قسم کی قربانیاں ایسی ہیں جن کی روح جماعت میں پیدا ہوچکی ہے اور جماعت ان کے متعلق بے شک اچھا نمونہ دکھارہی ہے۔ گو اس میں بھی ابھی کمزوری پائی جاتی ہے اور ابھی اس میں بھی ترقی کی گنجائش ہے لیکن باقی قربانیاں تو ایسی ہیں کہ ابھی جماعت کا قدم ان کی طرف اٹھا ہی نہیں۔ حالانکہ ایمان ایک عمارت کا نام ہے۔ ایک ایسی عمارت کا جس کی شرقی جانب بھی درست ہو، جس کی غربی جانب بھی درست ہو، جس کی شمالی جانب بھی درست ہو، جس کی جنوبی جانب بھی درست ہو، جس کی چھت بھی درست ہو، جس کی کھڑکیاں بھی درست ہوں، جس کے روشندان بھی درست ہوں، جس کے دروازے بھی درست ہوں، جس کا فرش بھی درست ہو اور جس کا پلستر بھی درست ہو۔ اسی طرح جب تک دین کے سارے حصے درست نہ ہوں اور جب تک سارے معاملات میں کوئی شخص اعلیٰ نمونہ پیش نہ کررہا ہو وہ کامل مومن نہیں کہلا سکتا اور جب کامل مومن نہیں کہلا سکتا تو صحابی کس طرح کہلا سکتا ہے۔ صحابی ایک روحانی درجے کا نام ہے۔ صحابی وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں بیٹھا اور جس نے اپنے دین کے سارے حصوں کو مکمل کر لیا۔ پس صحابی وہ ہے کہ جس سے اگر جان کی قربانی کا سوال ہو تو وہ اس کے لیے تیار ہو، اگر مال کی قربانی کا سوال ہو تو وہ اس کے لیے تیار ہو، اگر وقت کی قربانی کا سوال ہو تو وہ اس کے لیے تیار ہو، اگر جذبات کی قربانی کا سوال ہو تو وہ اس کے لیے تیار ہو، اگر وطن کی

قربانی کا سوال ہو تو وہ اس کے لیے تیار ہو۔ غرض جس جس قربانی کا سوال ہو وہ اس کے کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ کو دیکھ لو، انہوں نے کس طرح رات اور دن قربانیاں کیں اور اسلام کی اشاعت کے لیے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کر دیا۔ ہم اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں، بڑی بڑی زبردست باتیں بیان کی جاتی ہیں، بڑی بڑی تقریریں کی جاتی ہیں، بڑی بڑی علمی اور روحانی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ لوگ ان باتوں کو سنتے ہیں۔ سر بھی ہلاتے ہیں، سُبْحَانَ اللّٰہ بھی کہتے جاتے ہیں، زندہ باد کے نعرے بھی ان کی زبانوں سے سنے جاتے ہیں۔ مگر ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو جائیں گے تو یہ سبق ان کو بھولا ہوا ہو گا۔ اور اگر ان سے پوچھو کہ کیا کہا گیا تھا تو یہی جواب دیں گے کہ ہمیں تو یاد نہیں صرف اتنا پتہ ہے کہ خدا اور رسول کی باتیں بتائی گئی تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ عورتوں میں ان کی تربیت کے لیے مختلف لیکچر دینے شروع کیے اور کئی دن تک آپ لیکچر دیتے رہے۔ ایک دن آپ نے فرمایا کہ ہمیں عورتوں کا امتحان بھی لینا چاہیے تا معلوم ہو کہ وہ ہماری باتوں کو کہاں تک سمجھتی ہیں۔ باہر سے ایک خاتون آئی ہوئی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سے پوچھا بتاؤ مجھے آٹھ دن لیکچر دیتے ہو گئے ہیں مَیں نے ان لیکچروں میں کیا بیان کیا ہے؟ وہ کہنے لگی یہی خدا اور رسول کی باتیں آپ نے بیان کی ہیں اور کیا بیان کیا ہے۔ آپ کو اس جواب سے اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ نے لیکچروں کے اس سلسلہ کو بھی بند کر دیا اور فرمایا ہماری عورتوں میں ابھی اس قسم کی غفلت پائی جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے ابھی وہ بہت ابتدائی تعلیم کی محتاج ہیں، اعلیٰ درجہ کی روحانی باتیں سننے کی ان میں استعداد ہی نہیں۔ یہی بعض مردوں کا حال ہے۔ اس کے مقابلہ میں صحابہ کو دیکھو، وہ کس طرح رات اور دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتوں کو سنتے اور پھر ان پر عمل کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ انہوں نے آپ کی چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کو لیا اور دنیا میں نہ صرف اس کو پھیلا دیا بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا۔

مَیں یہاں لاہور میں مغرب کے بعد روزانہ بیٹھتا ہوں اور مجلس میں کئی قسم کی باتیں

ہوتی رہتی ہیں۔ اگر لاہور کے لوگ میری ان باتوں کو اُسی طرح یاد رکھیں جس طرح صحابہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں تعہد کے ساتھ یاد رکھا کرتے تھے تو مَیں سمجھتا ہوں یہی باتیں ان کی زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دیں۔ لیکن اگر اسی وقت پوچھا جائے کہ کل مَیں نے کیا کیا باتیں بیان کی تھیں؟ تو کئی لوگ کھڑے ہو کر کہہ دیں گے ہمیں اُس وقت مزا تو بڑا آیا تھا مگر یہ یاد نہیں رہا کہ آپ نے کیا کہا تھا۔ اگر یہاں کی جماعت صحابہ کے طریق پر عمل کرے اور نہ صرف باتیں سنے بلکہ ان کو یاد کرے اور دوسروں تک ان باتوں کو پہنچائے تو ان باتوں سے جماعت کو غیر معمولی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

آجکل ایک نوجوان میری ان باتوں کو لکھ بھی رہا ہے اور اس طرح وہ باتیں محفوظ ہو رہی ہیں۔ اگر مجھ سے نظر ثانی کرانے کے بعد "تفہیماتِ لاہوریہ" کے نام سے یا اَور کسی مناسب نام سے ان تمام باتوں کو ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا جائے اور لاہور کے دوست ہی اس کے اخراجات برداشت کریں تو مَیں سمجھتا ہوں یہاں کی جماعت کی تربیت اور اس کی ترقی کے لیے یہ ایک نہایت ہی مفید چیز ہوگی۔ مگر صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ ان باتوں کو ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جماعت ان باتوں کو یاد کرے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ وہ اس کے الفاظ یاد کریں، مَیں یہ کہتا ہوں کہ وہ اس کے مضمون اور اس کی روح اور اس کے مفہوم کو یاد کریں اور نہ صرف خود پڑھیں بلکہ دوسروں کو بھی پڑھائیں اور جب بعد میں لاہور میں اَور لوگ ایسے آئیں جو ان مجالس میں شامل نہیں ہوئے تو ان کو وہ تمام باتیں ایک ایک کر کے سنائیں جس طرح صحابہؓ ایک دوسرے کو حدیثیں سنایا کرتے تھے۔ یہ طریق ہے جس پر عمل کر کے وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ خالی باتیں سننا اور ان پر عمل نہ کرنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔ پس لاہور والوں کو چاہیے، وہ "تفہیمات لاہوریہ" کے نام سے ان تمام باتوں کو ایک کتابی صورت میں شائع کر دیں اور پھر اس کا باقاعدہ درس دیں اور ایک دوسرے کو بتائیں کہ مَیں نے کیا کہا ہے۔ اور پھر اس امر کی نگرانی کریں کہ لوگوں نے ان باتوں کو یاد کیا ہے یا نہیں کیا۔ اگر یہاں کی جماعت کے دوست ایسا کریں تو یقیناً ان کی زندگیوں میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہوتا جو

کسی قیمتی چیز کو ضائع کر دے۔ کیا تم نے کبھی سنا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہو کہ فلاں جگہ سونے کی بارش ہوئی تھی مگر مَیں نے کہا سونے کو کیا اکٹھا کرنا ہے اگر ضائع ہوتا ہے تو بے شک ہو جائے۔ اگر کوئی شخص ایسا کہے تو سب اس پر ہنسیں گے کہ یہ کیسا احمق ہے جس کے سامنے سونے کی بارش ہوئی اور اس نے اس کو اکٹھا نہ کیا۔ اگر واقع میں سونے کی بارش ہوئی تھی تو اس کا یہ بھی تو فرض تھا کہ اس سونے کو اکٹھا کرتا اور اس کو اہمیت دیتا۔ اسی طرح دینی باتیں سن کر صرف یہ کرنا کہ کسی بات پر ہنس دینا اور کسی پر افسوس کا اظہار کر دینا یہ ہرگز کسی عقلمند انسان کا طریق نہیں ہو سکتا۔ صحابہؓ یہ نہیں کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسی بات پر واہ وا کہہ دیں، کسی بات پر افسوس کا اظہار کر دیں اور پھر خالی ہاتھ اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ وہ ایک ایک بات کو سنتے اور اس نیت اور اس ارادہ کے ساتھ سنتے تھے کہ ہم اس پر عمل کریں گے۔ یہی طریق اگر لاہور والے اختیار کریں تو بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں ہیں ان کو پڑھنا اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی جماعت کے اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ مگر یاد رکھو! صرف لذّت حاصل کرنے کے لیے تم ایسا مت کرو۔ بلکہ فائدہ اٹھانے اور عمل کرنے کی نیت سے تم ان امور کی طرف توجہ کرو۔ تم لذّت حاصل کرنے کے لیے سارا قرآن پڑھ جاؤ تو تمہیں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرتے ہوئے اس کی محبت کے جوش میں ایک دفعہ بھی سُبْحَانَ اللّٰہ کہہ لو تو وہ تمہیں کہیں کا کہیں پہنچا دے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ مجلس میں بیان فرمایا کہ بعض دفعہ ہم تسبیح کرتے ہیں تو ایک تسبیح سے ہی ہم کہیں کے کہیں جا پہنچتے ہیں۔ مَیں اس مجلس میں موجود نہیں تھا۔ ایک نوجوان نے یہ بات سنی تو وہ وہاں سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا خبر نہیں آج حضرت صاحب نے یہ کیا کہا ہے۔ وہ صاحبِ تجربہ نہیں تھا مگر مَیں اُس عمر میں بھی صاحبِ تجربہ تھا۔ حالانکہ میری عمر اُس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھی۔ مَیں نے جب اُس سے یہ بات سُنی تو مَیں نے کہا ہاں! ایسا ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگا کس طرح؟ مَیں نے کہا کئی دفعہ مَیں نے دیکھا ہے کہ مَیں نے اپنی زبان سے ایک دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہا تو مجھے یوں معلوم ہوا جیسے میری روحانیت اُڑ کر

کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے۔ وہ یہ سنتے ہی نہایت تحقیر سے کہنے لگا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اس نے کبھی سنجیدگی سے سُبْحَانَ اللّٰہ کے مضمون پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ اسے سارا سارا دن سُبْحَانَ اللّٰہ کہہ کر کچھ نہیں ملتا تھا۔ مگر مَیں اپنے ذاتی تجربہ کی وجہ سے جانتا تھا کہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب مَیں نے سُبْحَانَ اللّٰہ کہا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ پہلے مَیں اَور تھا اور اب مَیں کچھ اَور بن گیا ہوں۔ دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اس مضمون کو کس عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حالانکہ میں نے اُس وقت تک بخاری نہیں پڑھی تھی مگر میرا تجربہ صحیح تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ۔7 دو کلمے ایسے ہیں کہ رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ زبان پر بڑے ہلکے ہیں۔ انسان ان الفاظ کو نہایت آسانی کے ساتھ نکال سکتا ہے کوئی بوجھ اسے محسوس نہیں ہوتا۔ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ۔ لیکن قیامت کے دن جب اعمال کے وزن کا سوال آئے گا تو وہ بڑے بھاری ثابت ہوں گے اور جس پلڑے میں ہوں گے اسے بالکل جھکا دیں گے۔ وہ کیا ہیں؟ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ مجھے ان کلمات کے پڑھنے کی بڑی عادت ہے اور مَیں نے دیکھا ہے بعض دفعہ ایک ایک مرتبہ ہی ان کلمات کو کہنے سے میری روح اُڑ کر کہیں کی کہیں جا پہنچتی ہے۔ تو اصل چیز یہی ہے کہ ہم سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر غور کریں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ تم صحابہؓ کبھی خواہش سے نہیں بن سکتے۔ تم میرے متعلق خواہ کس قدر سمجھو کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مشابہت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مشابہت ہے، تمہیں خالی ایسا اعتقاد صحابیت کے مقام تک نہیں پہنچا سکتا۔ صحابہ تم تبھی بنو گے جب تم اپنی قوتِ عملیہ سے کام لو گے اور دین کی باتوں پر عمل کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تمہیں ایک پیسہ ملے اور تم اسے چھوڑ دو؟ یا کوئی شخص تسلیم کر سکتا ہے کہ تمہیں راستہ میں پڑی ہوئی ایک سُوئی ملے اور تم اسے نہ اُٹھاؤ؟ جب تم ایک چیز لینے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہو، جب تم ایک سُوئی اٹھانے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہو تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ راک فیلر کا خزانہ

تمہارے سامنے پیش کیا جائے اور تم اس کو رد ّکر دو۔ اور اگر تم اس کو ردّ کر دیتے ہو تو اس کے سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں کہ تمہیں اعتبار ہی نہیں کہ جو چیز تمہارے سامنے پیش کی جا رہی ہے وہ ایک خزانہ ہے۔ نہ صرف تمہارے لیے، نہ صرف تمہاری نسلوں کے لیے بلکہ قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے بھی۔ پس اپنی روحانی بینائی کو درست کرو اور دین کا خزانہ جو تمہارے سامنے ہے اُس کی عظمت اور اہمیت کو سمجھو۔ پھر تمہیں وہ انعامات بھی حاصل ہو جائیں گے جو تم سے پہلے لوگوں کو حاصل ہوئے۔ میں نے بتایا ہے تمہارے لیے ایک ضروری امر یہ ہے کہ یہاں مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں، ان کو سنو۔ پھر سُن کر یاد رکھو اور یاد رکھنے کے بعد عمل کرنے کی کوشش کرو۔ بلکہ جب تمہیں موقع ملے ان باتوں کو رسالہ کی صورت میں چھپوا دو۔ لاہور کے آدمیوں کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ خصوصیت سے اس کے مضامین کو یاد رکھیں، دوسروں کو سنائیں اور بار بار اُن کو اپنے مطالعہ میں لائیں۔ اس طرح دینی امور کی اہمیت بھی ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے گی اور صحابہؓ کے مقام تک پہنچانے والے اعمال بھی ان سے صادر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ اگر یہ بات نہیں تو یوں ہی مجلس میں بیٹھ جانا اور باتوں سے مزہ حاصل کرنا اور عمل کے لیے کوئی قدم نہ اُٹھانا ایک لغو چیز ہے اور یہ داستانِ امیر حمزہ سننے والی بات ہے۔ دلّی اور لکھنؤ میں داستانِ امیر حمزہ لوگ بڑے شوق سے سنتے بلکہ بعض دفعہ رات کے دو دو بجے تک سنتے رہتے ہیں۔ وہ اسے سنتے وقت سُبْحَانَ اللّٰہ بھی کہتے ہیں، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ بھی کہتے ہیں۔ ان کے دل بھی اُس وقت جھوم رہے ہوتے ہیں مگر جب وہاں سے اٹھتے ہیں تو بالکل خالی ہاتھ ہوتے ہیں، نہ اُن کے دلوں پر کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ اُن کے جوارح پر کوئی اثر ہوتا ہے۔

پس جب تک دین کی باتوں پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہ کیا جائے اُس وقت تک خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا، اُس وقت تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا، اُس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ تو وفات یافتہ ہیں۔ اُس وقت تک ہماری مجلس میں بیٹھنے والے بھی ہم سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔ وہ بظاہر ہماری مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن وہ ہم سے

ہزاروں میل دور ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل ہم سے دور ہوتے ہیں اور ہم میں اور اُن میں کوئی روحانی اتّصال نہیں ہوتا۔ پس یہ رستے کھلے ہیں اور ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے قرب کے ان راستوں کو بند قرار دیتا ہے وہ نہایت ہی ظالم انسان ہے۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے، وہ خدا کا دشمن ہے، وہ انسانیت کا دشمن ہے، وہ ایمان کا دشمن ہے۔ مگر اس رستے کے کھلے ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمہیں آپ ہی آپ تمام مقاماتِ قُرب حاصل ہو جائیں گے۔ رستہ بے شک کھلا ہے مگر یہ قربانیوں کا رستہ ہے۔ اس راستہ پر چلے بغیر تمہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ ادب جو دین کا اہم ترین حصہ ہے وہ ابھی تک ہماری جماعت کے بعض لوگوں میں نہیں پایا جاتا۔ بعض دفعہ مجلس میں جب کوئی غیر شخص سوال کر رہا ہو تو اسے ایسا جواب دینا پڑتا ہے جو اپنے اندر مذاق کا رنگ رکھتا ہے۔ تم کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ایسے موقع پر صحابہؓ قہقہہ مار کر ہنستے ہوں۔ مگر اپنی مجلس میں مَیں نے دیکھا ہے جب کسی مخالف کو کوئی ایسا جواب دیا جاتا ہے تو لوگ قہقہہ مار کر ہنس پڑتے ہیں اور وہ شخص شرمندہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ہمارا مہمان ہوتا ہے اور اُس کا ادب ہم پر واجب ہوتا ہے۔ بے شک ایسی حد تک جو جائز ہو اس جواب سے لذت اندوز ہونا درست ہوتا ہے۔ مگر کوئی ایسا طریق جائز نہیں جو آدابِ مجلس کے بھی خلاف ہو اور مہمان کی دل شکنی کا بھی موجب ہو۔ اسی طرح اَور بہت سی باتیں ہیں جن کی طرف ہماری جماعت کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر وہ ایک دن میں آنے والی نہیں۔ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے آپ کی مجلس میں بیٹھ کر سیکھا خدا تعالیٰ نے اُن تمام باتوں کو ہم پر کھول دیا ہے، اس کی حقیقت اُس نے ہمیں سمجھا دی ہے اور اُن امور پر عمل کر کے یقیناً ہمیں صحابہؓ کا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہم بعض صحابہؓ سے بھی بڑا درجہ حاصل کرنا چاہیں تو حاصل کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہم اپنے درجہ میں ترقی کر کے وہ مقام بھی حاصل کر سکتے ہیں جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز بن جائیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی شخص بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے؟ تو مَیں کہا کرتا ہوں خدا نے اس مقام کا دروازہ بھی بند نہیں کیا۔

مگر تم میرے سامنے وہ آدمی تو لاؤ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مقاماتِ قرب کے حصول میں زیادہ سرعت اور تیزی کے ساتھ اپنا قدم اُٹھانے والا ہو۔ ہو سکتا اَور چیز ہے اور ہونا اَور چیز ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تُو عیسائیوں سے کہہ دے کہ اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو مَیں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔**8** اب اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ واقع میں خدا کا کوئی بیٹا ہے۔ اسی طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے درجہ میں آگے نکل گیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے۔ خدا نے اِس دروازے کو بند نہیں کیا۔ مگر عملی حالت یہی ہے کہ کسی ماں نے کوئی ایسا بچہ نہیں جنا اور نہ قیامت تک کوئی ایسا بچہ جن سکتی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ سکے۔ وہ شخص جو روحانی میدان میں لنگڑا ہے، جو دو قدم بھی صحیح طور پر نہیں چل سکتا قرب کا میدان تو اس کے لیے بھی کھلا ہے مگر وہ کہاں برق رفتار انسانوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ انسان ہیں جو ایک سیکنڈ میں کروڑوں میل خدا تعالیٰ کے قرب میں بڑھ جاتے ہیں اور لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ سالوں میں بھی ایک منزل طے نہیں کر سکتے۔ اُن کا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہی کیا ہے؟ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ سکنا اَور چیز ہے اور بڑھ جانا اَور چیز ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس شان اور شوکت کے ساتھ خدا تعالیٰ کے قرب میں بڑھے ہیں، اُس شان اور شوکت کے ساتھ کوئی شخص بڑھ کر دکھائے گا تو پھر یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر جب کوئی شخص ہمیں ایسا نظر نہیں آتا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مقاماتِ قُرب طے کر سکا ہو یا آئندہ کر سکتا ہو تو بہر حال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے افضل رہے۔ وہی سب کے سردار اور وہی سب کے آقا رہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہؓ سے تو یقیناً انسان زیادہ قرب حاصل کر سکتا ہے اور یقیناً ان سے بڑھ سکتا ہے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سے بڑھ کر دکھا دیا یا نہیں؟ مگر یہ مقام محض منہ کی لاف وگزاف سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ تم منہ سے ہزار بار مچا کے مارتے جاؤ اور کہو مَیں تنجن کھا رہا ہوں، مَیں پلاؤ کھا رہا ہوں، مَیں زردہ کھا رہا ہوں

تو تمہیں مُتنجن اور پلاؤ اور زردہ کا مزہ نہیں آسکتا۔ تمہارا پیٹ ان خالی مچاکوں سے بھر نہیں سکتا۔ اسی طرح تم محض خواہش سے صحابیت کا درجہ حاصل نہیں کرسکتے۔ تم یہ مقام حاصل کرسکتے ہو مگر اس طرح کہ عمل کرو اور ایسا عمل کرو کہ وہ تمہاری رگ رگ اور نس نس میں سمویا جائے۔ تم نماز پڑھو تو سنوار کر پڑھو۔ تم اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہو تو تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ تم ایک لفظ اپنی زبان سے نکال رہے ہو۔ بلکہ تمہیں یوں معلوم ہو کہ تم اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا مضمون کھا رہے ہو، تم رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہو تو تمہیں یوں معلوم ہو کہ تم خالی الفاظ اپنی زبان سے نہیں نکال رہے بلکہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کا لطیفہ[9] کھا رہے ہو۔ پھر رحمانیت کا ذکر آئے تو تمہاری یہی کیفیت ہو۔ رحیمیت کا ذکر آئے تو تمہاری یہی کیفیت ہو۔ پھر بے شک تم یقین رکھ سکتے ہو کہ تمہارا خدا تمہیں بھی پہلے لوگوں کے انعامات سے حصہ دے گا اور وہ تمہارے ساتھ بخل نہیں کرے گا۔ پس یہ مت خیال کرو کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہوسکتا ہے اور یقیناً ہوسکتا ہے۔ بلکہ اِس زمانہ میں صحابہ کے بعد کے زمانہ سے زیادہ سے زیادہ سہولت سے یہ مقام تم حاصل کرسکتے ہو۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جسے خدا نے اپنی برکتوں کے لیے مخصوص کر لیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ۔[10] جنت اُس زمانہ میں قریب کر دی جائے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بھی جنت لوگوں کے زیادہ قریب کر دی جائے گی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ فیجِ اعوج کے زمانہ میں لوگوں کو اپنے خدا کو پانا اور اس کے قرب میں بڑھنا بہت مشکل تھا۔ مگر مسیح موعودؑ کے زمانہ میں یہ تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ رستہ بتانے والے موجود ہوں گے، برکات و انوار کا مشاہدہ کرنے والے وجود ان کے سامنے ہوں گے اور ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے وہ زیادہ سرعت سے جنت حاصل کریں گے۔ چنانچہ موجودہ نشان، جو خدا تعالیٰ نے مصلح موعود کی پیشگوئی کے سلسلہ میں ظاہر کیا اس کو دیکھ لو کہ کس طرح اس نشان کے بعد تمہارے لیے جنت اَور زیادہ قریب کر دی گئی ہے۔ لوگ اس تقریب پر بڑی خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ مگر جہاں تک لفظی خوشی کا تعلق ہے مجھے اس سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن جہاں تک حقیقی خوشی کا تعلق ہے اس کے بعد آپ لوگوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، کم نہیں ہوتیں۔

یہ تازہ نشان خدا نے لاہور میں ظاہر کیا ہے۔ پس جس طرح مکہ اور مدینہ کے رہنے والوں پر اسلام کی طرف سے خاص ذمہ داریاں عائد ہو گئی تھیں اُسی طرح مَیں سمجھتا ہوں اس انکشاف کے بعد جو لاہور میں مجھ پر ہوا، یہاں کی جماعت کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ مَیں نے جہاں تک غور کیا ہے اس انکشاف کا مجھ پر سفر میں ہونا جہاں اس لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی سے مشابہت رکھتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہ پیشگوئی سفر کی حالت میں ہوشیار پور میں فرمائی اور مجھ پر بھی اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا انکشاف سفر کی حالت میں ہی ہوا وہاں آج اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک اَور بات بھی سمجھائی ہے۔ بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور میں فوت ہوئے تھے اور آپ کے لاہور میں فوت ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں لاہور کے متعلق ایک قسم کا بُغض پایا جاتا تھا۔ یوں تو ہر شخص نے فوت ہونا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فوت ہو گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو گئے۔ لیکن جب کوئی شخص اپنے گھر پر فوت ہوتا ہے تو اس کے متعلقین کو گو طبعی طور پر رنج ہوتا ہے مگر ان کے دلوں میں کوئی حسرت پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں فوت ہو جائے تو اس کے متعلقین کے دل ساری عمر اِس حسرت و اندوہ سے پُر رہتے ہیں کہ کاش وہ سفر کی حالت میں فوت نہ ہوتا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ شاید اس کے علاج میں کوتاہی ہوئی ہو، شاید اس کی تیمارداری میں کمی رہ گئی ہو، شاید وہاں کی آب و ہوا اُسے موافق نہ آئی ہو یا شاید کوئی اور وجہ ہو گئی ہو۔ پس ساری عمر اُن کے دلوں سے ایک آہ اُٹھتی رہتی ہے اور انہیں یہ تصور کر کے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ اُن کا کوئی عزیز فلاں سفر پر گیا تو پھر وہ واپس نہ آیا بلکہ اُسی جگہ فوت ہو گیا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ شاید اگر وہ سفر پر نہ جاتا تو نہ مرتا۔ اسی طرح مَیں سمجھتا ہوں جماعت کے دلوں پر یہ ایک بہت بڑا بوجھ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور میں آئے اور اس جگہ آکر فوت ہو گئے۔ خود لاہور کی پیشانی پر بھی ایک بدنما داغ تھا مگر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام کے ذریعہ خبر دی گئی تھی کہ "لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں" اور یہ کہ "وہ نظیف مٹی کے ہیں"۔**11** خدا تعالیٰ نے ان

پاک ممبروں کی دعاؤں کو سن کر لاہور کی پیشانی سے اس داغ کو ہمیشہ کے لیے دور کر دیا اور مسیح موعودؑ کو لاہور میں ہی دوبارہ زندہ کر دیا۔ اب لاہور والے کہہ سکتے ہیں کہ گو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں فوت ہوئے مگر وہ دوبارہ زندہ بھی ہمارے شہر میں ہی ہوئے ہیں۔ پس وہ جو لاہور والوں پر ایک داغ تھا خدا نے اس انکشاف کے ذریعہ اس داغ کو دھو دیا اور گو منہ سے احمدی اس بات کا اظہار نہیں کرتے تھے مگر لاہور کا ذکر آنے پر اُن کے دل ضرور بے چین ہو جاتے تھے کہ یہ کیسا شہر ہے جس میں خدا کا مسیحؑ چند روز کے لیے گیا اور فوت ہو گیا۔ پس یہ داغ خدا نے لاہور والوں سے اب دور کر دیا ہے۔ مگر اس چیز سے وہ ذاتی طور پر اُس وقت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جب اُن میں عمل کی قوت موجود ہو۔

مَیں نے بتایا ہے کہ سنجیدگی سے دین کی باتوں پر عمل کرنے کے مواقع ہماری جماعت کے لیے پوری طرح میسر ہیں۔ اگر خدا نے ان کو وہ زمانہ نہیں دکھایا جو مسیح موعود کا زمانہ تھا تو اب اس دوسرے موقع سے فائدہ اُٹھا کر وہ اپنی زندگیوں میں بہت کچھ تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ مگر فائدہ اُٹھانا یا نہ اُٹھانا تمہارا اپنا کام ہے۔ یہ تمہارے اپنے اختیار میں ہے کہ تم صحابہ جیسا بنو یا اُن سے بھی آگے نکل جاؤ۔ گویا جہاں تک کوشش اور جدوجہد کا تعلق ہے وہ تمہاری طرف سے ہونی چاہیے اور جہاں تک انعام اور مقام کا سوال ہے وہ خدا کی طرف سے آئے گا۔ مگر یہ دوسرا مرحلہ اُس وقت آسکتا ہے جب پہلا مرحلہ طے کر لو۔ اگر تم پہلے مرحلہ کو طے کر لو تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا اپنے وعدہ کو پورا نہ کرے اور تمہیں صحابہؓ کا مقام عطا نہ کرے۔ اگر تم چوتھا حصہ صحابی بننے کی کوشش کرو تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ خدا تمہیں اپنے فضل سے آدھا صحابی بنا دے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہیں چوتھے حصہ سے ایک انچ بھی کم رکھے۔ اگر تم آدھا صحابی بننے کی کوشش کرتے ہو تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ خدا تمہیں پورا صحابی بنا دے مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہیں آدھے حصہ سے ایک سُوت بھی کم رکھے۔ وہ تمہیں بڑھا کر تو اپنا انعام دے سکتا ہے مگر وہ یہ نہیں کر سکتا کہ تمہاری کوشش کے بدلہ میں تمہیں کم بدلہ دے۔ ہمارا خدا بخیل نہیں ہے، ہمارا خدا کنجوس اور مُمسک نہیں ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات دنیا میں جاری ہیں اور جاری رہیں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات دنیا میں جاری ہیں

اور جاری رہیں گی۔ قیامت تک اس سلسلۂ فیوض کو کوئی شخص بند نہیں کر سکتا۔ قیامت تک اللہ تعالیٰ کے قرب کے اس دروازے کو کوئی شخص مسدود قرار نہیں دے سکتا۔ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور آپ کا بھائی بننا یہ سب رستے کھلے ہیں اور ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ ان رستوں کو بند کرنے والے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے مگر انہیں ناکامی اور نامرادی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہمارا خدا زندہ ہونے کے لیے بے تاب ہے اور وہ زندہ ہو کر رہے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح زندہ ہونے کے لیے تڑپ رہی ہے اور وہ زندہ ہو کر رہے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح دنیا میں جلوہ نما ہونے کے لیے بے قرار ہے اور وہ جلوہ نما ہو کر رہے گی اور دنیا کی کوئی طاقت اس الٰہی مشیت کو ظاہر ہونے سے روک نہیں سکتی"۔ (الفضل 16 جون 1944ء)

---

1 :مسلم كتاب البر والصلة باب النهى عن قول هلك الناس میں الفاظ اِس طرح ہیں:" هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ"۔

2 :وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (السبا:29)

3 :الاحزاب:22

4 :درثمین اُردو نظم "بشیر احمد شریف احمد اور مبارکہ کی آمین"

5 :مسلم كتاب الطهارة باب استحباب اطالة الغرّة والتحجيل فى الوضوء

6 :الفضل یکم فروری 1944ء

7 :بخارى كتاب الدعوات باب فضل التسبيح

8 : قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:82)

9 :لطیفہ: اچھی چیز۔ شگوفہ۔ چٹکلا (فیروز اللغات اردو جامع)

10:التکویر:14

11:تذکرہ صفحہ 402 طبع چہارم